حیات محمد خان شیر پاؤ: نظریاتی سیاست کا علمبردار

حمایت اللہ یعقوبی*

ارشد محمد**

The article is related with the ideological orientation and political performance of Hayat Muhammad Khan Sherpao. He is regarded as one of the most vocal leaders. Who espoused a leftist and socialist approach in political scenario. From his school days and during his stay in Islamia College, Peshawar he emerged as a young dynamic political activist. He started his political career from the platform of Pakistan Muslim League which was rather a weak political organization in the former NWFP (Khyber Pakhtunkhwa). The article evaluates his performance as a student leader, to understand the dynamics of his early political direction. From a student activist he joined the bandwagon of Zulfiqar Ali Bhutto politics. He was one of the founding fathers of Pakistan Peoples Party which was established in 1967. The attempt is to study his political position and successes that how he grabbed the upper echelon in the Pakistan Peoples Party. Due to his services the PPP made rapid headway among the Pakhtuns of Khyber Pakhtunkhwa. Moreover, his role as governor of NWFP and federal minister under Zulfiqar Ali Bhutto would be discussed in detail to comprehend his political ideas and passion for the uplift of the masses.

---

* ریسرچ فیلو، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، مرکز فضیلت، قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔

** لیکچرر، گورنمنٹ ڈگری کالج زیدہ، صوابی، خیبر پختونخوا۔

ضلع چارسدہ صوبہ خیبر پختونخواہ میں ایک تاریخی مقام کی حیثیت رکھتا ہے۔ یونان کے تاریخی مسودوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا پرانا نام ''پشکلوتی'' تھا اور یہ قصبہ ٹیکسلا اور پشاور سے پہلے گندھارا کا دارالحکومت تھا۔ اس کا دوسرا نام جواب بھی مروجہ ہے ہشت نگر تھا۔ ہشت نگر کا مطلب ہے ''آٹھ قصبوں کا نگر''۔ یہ مشہور اٹھ قصبے چارسدہ، شیر پاؤ، اتمانزے، عمرزے، تورنگزے، تنگی، پڑانگ اور رزڑ اب بھی پورے آب و تاب کے ساتھ آباد و قائم ہیں۔ بعض مورخین کے مطابق پختونوں میں محمد زے قبیلے کے آباؤ اجداد پندرہویں صدی کے لگ بھگ افغانستان کے شہر ننگرہار میں آباد تھے۔ جب یوسفزئی قبیلے نے مرزا الغ بیگ[۱] کی عہد شکنی اور ظلم سے مجبور ہو کر کابل سے وادی پشاور کی طرف ہجرت کی تو محمدزئی قبیلے کے لوگ بھی ان کے ساتھ وادی پشاور میں داخل ہو گئے۔ اس وقت پشاور اور اس کے گردونواح میں دلہ زاک اور دھگان قوم بہت پہلے سے آباد تھی۔ دلہ زاک کو اس علاقے سے نکالنے کیلئے یوسفزئی قبیلے نے محمد زئی جرگے سے ایک معاہدہ کیا کہ دلہ زاکوں کی بے دخلی کے بعد ہشت نگر کا پورا علاقہ اُن کو دیا جائے گا۔ اسی طرح جب دلہ زاک شکست کے بعد ہزارہ اور اٹک کی طرف جانے لگے تو محمد زئی ہشت نگر میں آباد ہو گئے۔ اس علاقے کا مشہور قصبہ شیر پاؤ ایک پختون ملک افغان محمدزئی نے آباد کیا تھا۔[۲] حیات شیر پاؤ صوبہ خیبر پختونخوا کے ضلع چارسدہ کے شیر پاؤ گاؤں سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد اسی گاؤں میں صدیوں سے رہ رہے ہیں۔

حیات محمد خان شیر پاؤ (۱۹۳۸ء-۱۹۷۵ء) خیبر پختونخواہ کے سیاسی افق پر ایک ترقی پسند اور قوم پرست سوچ رکھنے والے نوجوان سیاسی رہنما تھے۔ پختون سماج سے ان کا تعلق عوامی سطح پر تھا اور وہ ابھرتے ہوئے نوجوان، طلباء و طالبات کا نمائندہ اور حقیقی معنوں میں ایک سیاسی و سماجی کارکن تھے۔ وہ عوامی سیاست کا پیروکار ہونے کے ساتھ ایک عظیم مقرر بھی تھے، جو کسی بھی طرح کے سیاسی حالات سے نمٹنے کا فن جانتے تھے۔ اپنے دورِ طالب علمی میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کو پختون طلباء میں مقبول کیا اور اسی پلیٹ فارم سے اپنی سیاسی کیریئر کی ابتداء کی۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے قیام اور اس کے پیغام کو عوام تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کی قائدانہ صلاحیتوں کی وجہ سے ذوالفقار علی بھٹو نے ہمیشہ ملکی سیاست اور بین الاقوامی معاملات میں ان کے مشوروں سے استفادہ کیا۔ ملکی سیاست میں اگر پیپلز پارٹی کا جمعیت علمائے اسلام یا نیشنل عوامی پارٹی سے حکمرانی کی شراکت پر مباحثہ

ہو یا شملہ میں اندرا گاندھی سے پاکستان کے فوجی قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ حیات شیر پاؤ ہمیشہ ان کے ساتھ رہے۔

پیپلز پارٹی کے قیام سے پہلے ان کا خاندان مسلم لیگ کے محاذ سے سیاست میں سرگرم عمل تھا۔ ایوب خان کی فوجی حکومت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ایک عام سیاسی ورکر کی حیثیت سے ۱۹۶۵ء کے صدارتی انتخابات میں فاطمہ جناح کیلئے انتخابی مہم چلائی۔ حیات شیر پاؤ کا شمار پاکستان پیپلز پارٹی کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ وہ ذوالفقار علی بھٹو کے انتہائی قریب ترین رہنماؤں میں سے ایک تھے۔ ایک عرصہ تک وفاقی وزیر کی حیثیت سے ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ خدمات سرانجام دیں اور کچھ عرصہ کیلئے خیبر پختونخوا کے گورنر بھی رہے۔ اپنی شہادت کے وقت وہ خیبر پختونخوا کی صوبائی کابینہ میں سینئر وزیر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔

غلام حیدر خان شیر پاؤ

پاکستان کی سیاست میں ضلع چارسدہ کے غلام حیدر خان شیر پاؤ خاندان کا شمار ان چند گھرانوں میں ہوتا ہے جن کے بزرگوں نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ایک ایسے وقت میں آل انڈیا مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی جب خیبر پختونخواہ میں مسلم لیگ کی تنظیم بہت کمزور تھی۔ غلام حیدر خان جو آفتاب احمد خان شیر پاؤ اورحیات محمد خان شیر پاؤ کے والد تھے مسلم لیگ کی پختونخواہ برانچ کے ایک متحرک رہنما تھے۔ وہ تحریک پاکستان کے ایک سرگرم کارکن اور قائداعظم کے ایک دیرینہ ساتھی تھے۔ وہ اپنے سیاسی نظریات کی بنیاد پر مسلم لیگ (فاورڈ بلاک) سے منسلک تھے۔ انگریز سرکار نے غلام حیدر خان کو ان کی خدمات کے صلے میں ''خان بہادر'' کا خطاب بھی دیا تھا لیکن قائداعظم کے کہنے پر ۱۹۴۶ء میں انہوں نے خود ہی یہ خطاب سرکار کو واپس کر دیا۔[۳]

عوامی نیشنل پارٹی کے سابق سربراہ عبدالولی خان (مرحوم) اپنی کتاب 'حقائق حقائق ہیں' میں سر جارج کنگھم کی غیر مطبوعہ ڈائری میں غلام حیدر خان کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انگریزوں نے دوسری جنگ عظیم کے دوران جرمنی اور اٹلی کے خلاف پروپیگنڈا مہم تیز کرنے کیلئے صوبہ سرحد میں ملاؤں کی حمایت حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ صوبہ سرحد کے گورنر کنگھم نے ملاؤں کے تین گروپ بنائے تھے۔ چھوٹے ملا علاقے کے خوانین اور با اعتبار خان بہادروں کے حوالے کر دیئے تھے۔ انہوں نے ذرا

اونچے مرتبے کے ملاؤں سے رابطہ ڈپٹی کمشنر کے ذریعے قائم کر رکھا تھا۔ سب سے با اثر علماء سے گورنر نے خود رابطہ قائم کر رکھا تھا۔ولی خان کے بقول چھوٹے مُلا شیر پاؤ گاؤں کے خان بہادر غلام حیدرخان کے حوالے تھے۔ اس نے نو، دس ملاؤں کو اکٹھا کیا جو نزدیک علاقوں یعنی راجہ، کوٹ، ترناب، تنگی، اتمانزئی، عمرزئی، پڑانگ اور چارسدہ کے تھے۔ وہ ہر مُلا سے الگ الگ ملتا تھا اور انہیں ۴۰ یا ۵۰ روپے کے عوض ''اسلام'' کی خدمت کیلئے راضی کرتا۔ ہر ملا تین چار ماہ بعد آ کر اپنی کارگزاری بیان کرتا تھا، لارڈ کننگھم مزید لکھتا ہے کہ میں نے خان بہادر غلام حیدرشیر پاؤ کو ۶۰۰ روپے دیئے جو انہوں نے ملاؤں میں تقسیم کیے۔[۴]

ولی خان آگے لکھتے ہیں کہ انگریز سرکار نے سرکاری محاذ پر اپنی گرفت کو مضبوط کرنے کی غرض سے مارچ ۱۹۴۰ء کے بعد پھر انہی خان بہادروں اور نوابوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونے کی ہدایت کر دی اور بہت جلد انگریزوں کے یہ ایجنٹ جن میں خان بہادر علی خان، خان بہادر غلام حیدرخان شیر پاؤ، نواب ظفر علی اور تاج علی خان بنوں کے نام نمایاں تھے، صوبہ سرحد مسلم لیگ کے اہم رہنماؤں میں شامل ہونے لگے۔[۵]

ولی خان کا مندرجہ بالا اقتباس بہت سی جگہوں پہ نقل کیا گیا ہے، لیکن کسی لکھاری نے حقائق کی چھان بین کی خفیف سی کوشش بھی نہیں کی ہے۔ غلام حیدر خان شیر پاؤ ۱۹۴۰ء کی قراردادِ پاکستان سے بہت پہلے مسلم لیگ میں شامل ہوئے تھے، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ۱۹۴۰ء میں جتنے بھی چیدہ لوگ مسلم لیگ میں شامل ہوئے تھے وہ انگریز سرکار کے کہنے پر نہیں بلکہ ڈاکٹر خان صاحب کی حکومت کی ناقص کارکردگی اور کانگریس پارٹی کے غیر مناسب رویہ کی وجہ سے ان کے خلاف ہوئے تھے۔ ان رہنماؤں میں خان عبدالقیوم، پیر آف مانکی شریف، غلام محمد لوند خوڑ اور بہت سارے اکابرین شامل تھے۔ ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں صوبہ خیبر پختونخواہ میں کانگریس اور خدائی خدمتگار کے سیاسی اتحاد کے بعد عبدالغفار خان کے بڑے بھائی ڈاکٹر خان صاحب وزیر اعلیٰ منتخب کیے گئے تھے۔ ڈاکٹر خان صاحب کی حکومت نے جو سب سے پہلے کام کیا، وہ ایف سی آر(Frontier Crimes Regulations) جو ایک ظالمانہ قانون تھا، اس کو دوبارہ لاگو کیا تھا۔ ایسے عوام مخالف مخالف اور پختون دشمن اقدامات کی وجہ سے بہت سے لوگ ان کے مخالف ہو گئے تھے۔ حتیٰ کہ عبدالغفار خان نے خود ان کی حکومت کے

استعفیٰ کا مطالبہ کیا تھا۔۶ خصوصاً چارسدہ میں مسلم لیگ کی پراپیگنڈہ مہم میں غلام حیدرخان پیش پیش تھے۔ اس حوالے سے انہوں نے کانگریس کی صوبائی کابینہ کے مختلف غیر آئینی اقدامات کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا تھا اور ہر سیاسی جلسے میں بلا روک ٹوک صوبائی کابینہ کے غلط اقدامات کے خلاف احتجاج کیا کرتے تھے۔ ۱۹ جون ۱۹۳۸ء کو صوبائی مسلم لیگ کی ایک میٹنگ پشاور میں منعقد ہوئی، جس میں غلام حیدرخان نے لیگی رہنماؤں کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کروائی کہ ڈاکٹر خان صاحب کی کابینہ صوبے کی پولیس اور دوسرے اداروں میں بڑے پیمانے پر سرخ پوشوں کو بھرتی کرنے کے منصوبے پر کام کر رہی ہیں۔ انہوں نے اس قسم کے اقدامات کو ہر محاذ پر اٹھانے اور رکوانے کیلئے عملی طور پر کام کیا، اور رائے عامہ کو کافی حد تک اس بات پہ قائل کیا کہ کانگریس کابینہ صوبے کے لوگوں کی نمائندہ حکومت نہیں رہی۔ ۷

ان کی اس انتھک کوششوں کی وجہ سے صوبائی مسلم لیگ نے غلام حیدر خان کو ۱۹۳۸ء میں مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے رُکن کیلئے نامزد کیا۔ ضلع چارسدہ میں انہوں نے مسلم لیگ کی تنظیم نو کی اور پہلی مرتبہ جان نثار کارکنوں پر مشتمل رضاکاروں کا ایک منظّم گروپ تیار کیا، جو ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنے میں کافی پیش پیش تھے۔ مسلم نیشنل گارڈز کے متحرک ہونے سے چارسدہ میں سیاسی حالات انتہائی کشیدہ ہو گئے تھے۔ اِسی سلسلے میں غلام حیدرخان نے ۱۴راگست ۱۹۳۸ء کو شیرپاؤ میں مسلم لیگ کا ایک جلسہ منعقد کیا، جس میں صوبے کے سرکردہ رہنماؤں نے خطاب کیا۔ اس وقت غلام حیدرخان تنگی مسلم لیگ کے نائب صدر کے طور پر کام کر رہے تھے۔۶

۱۹۴۷ء میں ڈاکٹر خان صاحب کی صوبائی حکومت کے خلاف تحریک سول نافرمانی میں پورے صوبے کے مسلم لیگ رضاکاروں اور کارکنوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ چارسدہ اور آس پاس کے علاقوں میں مسلم لیگ کو منظّم کرنے کا سہرا غلام حیدرخان شیرپاؤ کو جاتا ہے۔اس وقت کی پولیس کی خفیہ رپورٹس کے مطابق چارسدہ میں غلام حیدرخان روزانہ کی بنیادوں پر لیگی کارکنوں کو جمع کر کے سیاسی جلسے منعقد کیا کرتے اس کا اثر یہ ہوا کہ پورے صوبے میں تحریک پاکستان کو عوام کی طرف سے زبردست پذیرائی ملی۔ عبدالغفار خان کے آبائی ضلع چارسدہ میں آئے روز سرخ پوش کارکنان اور مسلم لیگی رضاکاروں کے مابین تصادم کا خطرہ رہتا تھا۔ صوبائی پولیس کی خفیہ دستاویزات کے مطابق تنگی کے

علاقے میں مسلم لیگ کے خلاف نازیبا نعرے لگانے پر ایک سرخ پوش کو گرم گھی میں ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی۔۹ اور ان حالات کے پیش نظر ڈاکٹر خان صاحب کی کانگریس کابینہ کیلئے عوامی تحریک پر قابو پانا مشکل ہو گیا تھا۔ چونکہ خدائی خدمتگار تحریک اور مسلم لیگ نظریاتی لحاظ سے ایک دوسرے کے الٹ تھے لہٰذا حالات کے تناظر میں دیکھا جائے تو عبدالولی خان کے الزامات کی نوعیت سیاسی معلوم ہوتی ہے۔اس لیے ولی خان کی طرف سے غلام حیدرخان پر انگریز سرکار کی حمایت یا ان سے پیسے لینے کا الزام غلط بیانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کے نہ تو تاریخی شواہد موجود ہیں اور نہ ہی کسی اور غیر جانبدار لکھاری نے اس کا ذکر کیا ہے۔

ولی خان کا دوسرا الزام یہ ہے کہ غلام حیدرخان انگریز سرکار کے کہنے پر مسلم لیگ میں شامل ہوئے تھے۔تحریک پاکستان کے حوالے سے جو نئی تحقیق سامنے آئی ہے اس کے مطابق انگریز آخر تک ہندوستان میں سیاسی اتحاد کی کوشش کرتے رہے۔انگریز حکومت تادم آخر ہندوستان کی تقسیم اور نظریہ پاکستان کے مخالف تھی۔ ہندوستان کی سیاسی فضا اس وقت بدلی جب ۱۹۳۷ء کے انتخابات ہوئے اور کانگریس نے ۸ صوبوں میں وزارتیں بنا لی تھیں اور اس کے بعد پورے ہندوستان میں مسلمانوں کو یہ محسوس ہونے لگا کہ متحدہ ہندوستان میں کانگریس حکومت میں وہ کبھی بھی ترقی نہیں کر پائیں گے، کیونکہ کانگریس مسلمانوں کی آئینی ، سیاسی، معاشی اور معاشرتی حقوق کے تحفظ میں ناکام ہوگئی تھی۔ بنگال کے مولوی فضل الحق، پنجاب کے سکندر حیات اور میاں افتخار الدین، بلوچستان میں قاضی محمد عیسیٰ، سندھ سے جی ایم سید اور بہت سارے دوسرے مسلم سیاسی قائدین مسلم لیگ میں شامل ہو گئے تھے۔ اسی طرح صوبہ خیبر پختونخوا میں خان عبدالقیوم خان، پیر مانکی شریف، غلام محمد لوندخوڑ، حاجی بخت جمال اور غلام محمد خان شیر پاؤ جیسے اکابرین نے نظریہ پاکستان کو پختونوں میں پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔۱۰ انگریز سرکار پاکستان سکیم کی اتنی ہی مخالف تھی جتنی کانگریس پارٹی کے سرکردہ رہنما ان کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کی تاریخی قرارداد کے پس منظر میں اگر دیکھیں تو وائسرائے ہند تا گورنر سرحد سارے انگریز اس نظریہ کے مکمل طور پر مخالف تھے۔ وائسرائے لارڈ لنلتھگو(Viceroy Lord Linlithgow)، سیکرٹری آف سٹیٹ لارڈ زیٹلینڈ(Secretary of State Lord Zetland)، ایل، ایس، ایس پری(L.S. Asprree)، لارڈ ویول(Lord Wavel)، کلیمنٹ

اٹلی (Clement Atlee)اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن(Lord Mount batten) سمیت تب پاکستان سکیم کے مخالف تھے۔[۱۱] ان تاریخی حقائق اور دلائل کو مد نظر رکھ کر یہ بات کہ انگریز سرکار مسلم لیگ کو منظم اور مضبوط کرنے پر تلی ہوئی تھی، ایک غیر جانبدار محقق کی سمجھ سے بالاتر ہے۔

اس کے برعکس ڈاکٹر خان صاحب کا انگریزوں کے ساتھ تعلقات بہت پرانے اور وسیع تھے۔ ڈی جی ٹنڈولکر اپنی کتاب میں رقم طراز ہیں کہ ۱۸۴۸ء میں برطانیہ نے اپنے مفاد کی خاطر زمینداری نظام رائج کیا اور بڑے بڑے زمینداروں کو خان کا درجہ دیا۔ چونکہ اُن کے دادا (سیف اللہ) کے پاس زمین تھوڑی سی تھی اس لیے انگریزوں نے اس علاقے میں اپنے مفادات کے تحفظ کیلئے ان کو سینکڑوں ایکڑ زمین جاگیر کے طور پر عطا کی اور اسی طرح ان کو خان بنایا۔ یہ انگریزوں کی مہربانی تھی کہ انہوں نے اس خاندان کو علاقہ کے خوانین کے صف میں لا کھڑا کیا۔[۱۲]

ولی خان نے زیادہ تر انحصار جارج کننگھم کی ڈائری کے صفحات پر کیا ہے حالانکہ اسی ڈائری میں اس خاندان کے بارے میں کچھ درپردہ حقائق موجود ہیں ۔ مدرار اللہ مدرار اسی ڈائری کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ خاندان انگریز سرکار کے بہی خواہ اور حمایتی تھے۔ عبدالغفار خان نے سیاسی حکمت عملی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر خان صاحب کو صوبے کا وزیر اعلیٰ منتخب کیا کیونکہ وہ انگریزوں کا دوست اور ان کے ساتھ کام کرنے کیلئے موزوں بندہ تھا۔ کننگھم اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں:

> Iskandar Mirza tells me today that it has had a good effect, and that Khan Sahib is himself against any kind of trouble being given to the government, but he is somewhat at the mercy of Abdul Ghaffar Khan, Qazi Attaullah and others. They are trying to push him into the fore front, in order to get him into trouble. I told Iskandar Mirza that our policy, therefore, should be to allow him to remain in the forefront, as we know that he will do nothing extreme.[۱۳]

ترجمہ: سکندر مرزا نے مجھے بتایا کہ ڈاکٹر خان صاحب حکومت کیلئے کسی قسم کا مسئلہ پیدا کرنے کے خلاف ہے۔ لیکن چونکہ وہ عبدالغفار خان، قاضی عطاء اللہ اور دوسروں کے رحم و کرم پر ہے اس لیے ان لوگوں کی کوشش ہوگی کہ (خان صاحب) کو آگے کریں اور ان کیلئے مسئلہ پیدا نہ کریں۔ میں نے سکندر مرزا کو بتایا کہ ہمیں بھی خان صاحب کو آگے ہی رکھنا چاہیے کیونکہ وہ کوئی انتہائی قدم نہیں اٹھا سکے گا۔

ڈاکٹر خان صاحب کی بیوی انگریز تھی، اور اس کے جارج کننگھم کی بیوی سے بہت اچھے

تعلقات تھے، جس کی وجہ سے کننگھم اور ڈاکٹر خان صاحب کے مراسم بھی دوستانہ تھے۔ کننگھم جو چاہتا بغیر کسی تکلیف کے ڈاکٹر خان صاحب سے کروالیتا تھا۔ غفار خان خاندان کانگریسی پارٹی کے قائدین میں سے تھے اور ۱۹۴۷ء سے پہلے صوبہ خیبر پختونخوا میں ہندو قوم پرستی کے زبردست حامی رہے تھے۔[۱۴]

اس کے برعکس غلام حیدر خان مسلم قوم پرستانہ نظریات کے دعویدار اور علمبردار تھے۔ وہ ان چند لوگوں میں سے ایک تھے جنہوں نے اپنے ذاتی خرچ پر صوبہ بہار جا کر ان مسلمان گھرانوں کی مالی اور اخلاقی مدد کی جن کی بستیاں انتہا پسند ہندوؤں نے جلا دی تھیں۔ ۱۹۳۸ء میں جب بہار میں ہندو مسلم فسادات ہوئے تھے تو سرحد مسلم لیگ نے ایک میڈیکل ٹیم بھی زخمی مسلمانوں کی مدد کیلئے بھیجی تھی۔[۱۵] اس وقت کے سیاسی حالات و واقعات کے مطالعے کے بعد اس حقیقت کا ادراک ہوتا ہے کہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کے تاریخی قرارداد پاکستان کے بعد مسلم لیگ کی عوامی مہم دوسرے صوبوں کے ساتھ ساتھ خیبر پختونخوا میں بھی بہت کامیابی کے ساتھ چل رہی تھی اور یہ کسی بھی طرح سے ڈاکٹر خان صاحب کی کانگریسی کابینہ کیلئے ایک چیلنج سے کم نہ تھا۔ ۱۹۴۷ء میں ڈاکٹر خان صاحب کی حکومت کے خلاف سول نافرمانی تحریک میں وہ گرفتار ہو گئے اور پاکستان بننے کے ایک سال بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

حیات محمد شیرپاؤ: پیدائش اور تعلیم

حیات محمد خان شیرپاؤ یکم فروری ۱۹۳۸ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۸ء میں اپنے والد کے انتقال کے بعد آپ کے بڑے بھائی دوست محمد خان نے پرورش کی۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے ایک مقامی سکول سے حاصل کی اور درس قرآن کیلئے گاؤں کے ایک مذہبی بزرگ استاد کے پاس جایا کرتے تھے۔ بعد ازاں صوبے کے مشہور تعلیمی اداروں اسلامیہ کالجیٹ سکول اور اسلامیہ کالج پشاور سے تعلیم حاصل کی۔ آپ زمانہ طالب علمی سے ہی سیاسی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ چونکہ آپ کا تعلق ایک سیاسی گھرانے سے تھا، اس لئے گھر میں بھی پرورش سیاسی ڈگر پر ہوئی آپ ان کے بھائی دوست محمد خان اس وقت ملکی سیاست میں کافی متحرک تھے اور ۱۹۵۰ء میں صوبائی مجلس قانون ساز کے ممبر منتخب ہو گئے تھے۔[۱۶] سیاست کے رموز اور اصول سیکھنے کے کافی مواقع آپ کو گھر پر ہی میسر تھے۔ سیاسی رہنماؤں سے آپ کا میل جول معمول کا حصہ تھا۔ اسلامیہ کالج کے ماحول میں بھی پڑھائی کے

ساتھ ساتھ سیاسی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔ اسی طرح کالج کے ماحول میں اپنی سیاسی صلاحیتیں نکھارنے کا موقع ملا، اور بہت ہی کم وقت میں ایک کامیاب طالب علم سیاسی رہنما کے طور پر جانے پہچانے لگے۔

اسلامیہ کالج پشاور کے طلباء نے تحریک آزادی میں جو مثالی کردار ادا کیا وہ پختون طالب علموں کی پاکستان کے ساتھ گہری وابستگی کا ثبوت ہے۔ خیبر پختونخوا کے نوجوانوں میں سیاسی شعور، تعلیم کے ساتھ رغبت، معاشرتی بھلائی، جدیدیت اور برداشت کی خصوصیات پیدا کرنے میں اس کالج کے طلباء نے گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ اس کالج نے پاکستان کو مدبر رہنما، سیاسی شخصیات اور نامور کھلاڑی دیئے ہیں۔ یہ کہنا حق بجانب ہے کہ اسلامیہ کالج کی تاریخ کامیابیوں اور کامرانیوں سے بھری پڑی ہے۔حیات محمد خان شیر پاؤ کا شمار کالج کے جوشیلے مقرروں میں ہوتا تھا۔ اکثر اوقات اردو اور انگلش زبان میں تقاریر کیا کرتے تھے، سیاسی حریفوں کے دل اپنے مضبوط دلائل سے جیتنے کے ماہر تھے، طلباء کومختلف قومی معاملات پر ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے میں بھی خاصے پیش پیش تھے۔ کالج کی دوسری تنظیموں کے کارکنان بھی آپ کی قابلیت کے قائل تھے اور طلباء کیلئے آپ کی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انہی خصوصیات کے بل بوتے پر آپ دوبار اسلامیہ کالج کے خیبر یونین ڈیبیٹنگ سوسائٹی (Khyber Union Debating Society) کے صدر منتخب ہوئے تھے۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی کے اواخر میں حیات شیر پاؤ کی قائدانہ صلاحیتوں اور آپ کے خاندان کی تحریک پاکستان سے وابستگی کی وجہ سے اسلامیہ کالج میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن ایک مضبوط سیاسی محاذ کے طور پر ابھرنے لگی۔ یہاں پر حیات شیر پاؤ کو ایک سیاسی پلیٹ فارم کے ساتھ ساتھ اپنی سیاسی صلاحیتیں نکھارنے کا موقع ملا۔ ایک مرتبہ فیڈریشن کے سیکرٹری اور ایک مرتبہ صدر منتخب ہوئے تھے۔[۱۷]

عملی سیاست اور پیپلز پارٹی کا قیام

۱۹۵۶ء میں اسلامیہ کالج پشاور سے گریجویشن کے بعد حیات شیر پاؤ تھوڑے عرصے تک اپنی زمینوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے تھے۔ اسی دوران ایوب خان کے بلدیاتی انتخابات میں حصہ لیا اور بلا مقابلہ آزاد حیثیت سے کامیاب ہو گئے۔ ۱۹۶۱ء-۶۲ میں آپ نے اپنے ایک دوست حبیب اللہ خان کے کہنے پر کونسل مسلم لیگ میں باقاعدہ شمولیت اختیار کی۔ ۱۹۶۳ء میں پارٹی کے جائنٹ

سیکرٹری کے عہدے کیلئے منتخب ہوئے۔ ۱۹۶۴ء-۶۵ میں جب صدارتی انتخابات کا اعلان ہوا تو اس وقت کے اپوزیشن رہنماؤں کا ایک اجلاس ہوا، جس میں متفقہ طور پر قائداعظم کی ہمشیرہ فاطمہ جناح کو حزب اختلاف کی جانب سے صدارتی امیدوار کیلئے چنا گیا۔ ان انتخابات میں حیات شیر پاؤ نے محترمہ فاطمہ جناح کیلئے بھرپور مہم چلائی۔ انتخابات کے بعد حزب اختلاف کے دوسرے سیاسی قائدین کے ساتھ خیبر پختونخوا میں ایوب خان مارشل لا کے خلاف ایک متحرک کردار ادا کیا۔

یہ وہ دور تھا جب ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد پاکستان اور بھارت کے مابین معاہدہ تاشقند پر دستخط ہو چکے تھے۔اس معاہدے کی کچھ شقوں پر پاکستان کے اس وقت کے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو اور صدر ایوب خان کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے تھے، جو بعد میں بھٹو کے وفاقی کابینہ سے استعفیٰ پر منتج ہوئے۔حیات شیر پاؤ اور ذوالفقار علی بھٹو کے مابین پہلی ملاقات ۱۹۶۶ء کو فلیشمین ہوٹل راولپنڈی میں ہوئی تھی۔ اس ملاقات میں آپ نے بھٹو کو دورہ خیبر پختونخوا کی دعوت دی تھی۔۱۸ پاکستان پیپلز پارٹی کے باقاعدہ قیام سے پہلے بھٹو نے پورے ملک کا تفصیلی دورہ کیا۔ بھٹو نے جب ایک نئی پارٹی بنانے کا ارادہ کیا تو مشاورت کیلئے بہت سے ترقی پسند رہنماؤں سے ملاقات کی اور ان سے رائے طلب کی۔ یہ وہ دور تھا جب ملک میں کوئی بھی سیاسی جماعت حقیقی طور پر غیر مذہبی اور ترقی پسند نہ تھی۔ پاکستان نیشنل عوامی پارٹی جو ترقی پسندانہ سوچ رکھنے والے اشتراکی اور کمیونسٹوں کی کوششوں سے ۱۹۵۷ میں بنی تھی، دو دھڑوں میں بٹ چکی تھی۔ ۱۹۶۸ء میں ولی خان اور مولانا بھاشانی کے اختلافات منظر عام پر آ چکے تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو کو اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ ترقی پسندانہ اور بائیں بازو کی سیاست ملک میں بہت کمزور ہو چکی ہے۔

بھٹو نئی پارٹی کے قیام کے حوالے سے حیات شیر پاؤ سے مشاورت کیلئے ان کے گاؤں تشریف لائے، جہاں بہت سے سیاسی قائدین اور ورکرز کیلئے دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ اسی دوران حیات شیر پاؤ کو بھٹو کے سیاسی عزائم اور نئی پارٹی کے قیام کے فیصلوں سے کافی حوصلہ ملا کیونکہ آپ کے نزدیک اس وقت کی تقریباً تمام سیاسی پارٹیاں اس پوزیشن میں نہیں تھیں کہ وہ ایوب خان کے خلاف کوئی عوامی تحریک کامیابی سے ہمکنار کر سکیں۔ صدارتی انتخابات میں کمبائنڈ اپوزیشن پارٹیز (Combined Opposition Parties) کے رہنماؤں میں بھی کافی اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ حیات

شیر پاؤ کے سیاسی نظریات، ترقی پسندانہ روایات اور سوچ کے حامل تھی۔ جو بھٹو کے سیاسی افکار سے بہت ہی زیادہ ہم آہنگ تھی۔ حیات شیر پاؤ ذوالفقار علی بھٹو کی عوامی سیاست اور پیپلز پارٹی کی ترقی پسندانہ نظریات کی بناء پر اصولوں کی سیاست کرتے ہوئے بھٹو کے ساتھ پاکستان پیپلز پارٹی کے قافلے میں شامل ہو گئے۔ لہٰذا پاکستان پیپلز پارٹی کے پہلے کنونشن ۳۰ نومبر، ۱۹۶۷ء کو لاہور میں شرکت کی اور اس طرح ذوالفقار علی بھٹو کے رفیق کار بن گئے۔ [19]

حیات شیر پاؤ نے بھٹو کے نام ایک توصیفی خط لکھا اور ان کے اس عمل کو ملک میں جمہوریت کو پروان چڑھانے کی جانب پہلا قدم قرار دیا۔ بعد ازاں ان کی بھٹو کے ساتھ رفاقت مزید گہری ہوتی چلی گئی۔ انہوں نے پاکستان پیپلز پارٹی کے تشکیل کے ابتدائی مشکل دنوں میں عوام کو متحرک کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ شیر پاؤ کی روز افزوں مقبولیت، ان کا منفرد اندازِ فکر اور مثالی سیاست کی وجہ سے بہت سے لوگ ان کے رقیب بن گئے تھے، جبکہ دوسری طرف ان کے مداحوں اور چاہنے والوں کی بھی کمی نہیں تھی۔ بھٹو نے نوجوان حیات شیر پاؤ کی صلاحیتوں کو بغور دیکھ کر ان کو ''شیر سرحد'' کے خطاب سے نوازا اور یوں ان کا شمار خیبر پختونخواہ کے صف اول کے رہنماؤں میں ہونے لگا۔ [20]

ذوالفقار علی بھٹو کو بہت پہلے ہی سے ان کی قائدانہ صلاحیتوں سے واقفیت ہو چکی تھی۔ اس لیے حیات شیر پاؤ کو صوبہ خیبر پختونخوا میں پیپلز پارٹی کے پیغام کو پھیلانے کے ساتھ ساتھ پارٹی کو مضبوط سیاسی اور عوامی پلیٹ فارم مہیا کرنے کی ذمہ داری دی گئی۔ ساتھ ہی ان کو پیپلز پارٹی صوبہ خیبر پختونخوا کا پہلا صدر بنایا گیا۔ پیپلز پارٹی کو پختونوں میں متعارف کروانے اور ایک مضبوط عوامی محاذ دلوانے میں شیر پاؤ نے دن رات محنت کی۔ تین نومبر ۱۹۶۸ء کو آپ نے اپنے ہی گاؤں شیر پاؤ میں پارٹی کا ایک کامیاب کنونشن کا انعقاد کیا جس میں صوبے بھر سے ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔ [21] کنونشن سے پارٹی کے دوسرے رہنماؤں کے علاوہ ذوالفقار علی بھٹو نے خطاب کیا اور اپنی تقریر میں لوگوں کے جذبات دیکھ کر کہا تھا کہ پیپلز پارٹی پاکستان کی واحد جماعت ہے جس کی شاخیں ہر قصبے اور گاؤں میں قائم کی گئی ہیں۔ یہاں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو کو اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ خیبر پختونخوا میں اگر کوئی سیاسی قائد پارٹی کو عوام میں مضبوط کر سکتا ہے تو وہ صرف حیات شیر پاؤ ہی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اس وقت صوبے میں نیشنل عوامی پارٹی کی اجارہ داری تھی۔ اور

دوسری سیاسی جماعتوں کی نسبت نیشنل عوامی پارٹی کی پوزیشن مضبوط تھی۔ نیشنل عوامی پارٹی بائیں بازو کی سیاست کرنے والی عوامی اور قومی سطح پر مقبول جماعت تھی جس کی جڑیں پورے ملک میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اگرچہ پنجاب اور سندھ کے علاقوں میں یہ اتنی مضبوط پوزیشن میں نہیں تھی لیکن پختونخوا اور بلوچستان میں کافی تعداد میں لوگ اس کے منشور کے حامی تھے۔ ایسے حالات میں پیپلز پارٹی جیسی نظریاتی پارٹی کیلئے اپنا وجود برقرار رکھنا بہت مشکل تھا۔لیکن نا مساعد حالات کے باوجود حیات شیر پاؤ نے دن رات محنت کر کے پیپلز پارٹی کو عوام میں مقبول کر دیا اور روایتی ترقی پسندانہ سیاست سے نالاں بہت سے لوگ پارٹی میں شامل ہو گئے اور پیپلز پارٹی بہت ہی کم عرصہ میں صوبے کی ایک مضبوط پارٹی ابھر کر سامنے آ گئی۔ اس کے علاوہ بھٹو کا ان پر اعتماد اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حیات شیر پاؤ صوبہ خیبر پختونخوا میں ایک متبادل سیاسی قیادت کیلئے ہر طرح سے موزوں امیدوار تھے۔ بہت جلد ہی انہوں نے اپنے سیاسی حریفوں کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ روایتی سیاسی نعرہ بازی کا دور گزر چکا ہے اور صوبے کے با صلاحیت نوجوان ترقی پسندانہ رجحانات کے زیر سایہ اپنے لیے نئی راہیں ڈھونڈ رہے ہیں۔ اس قسم کے احساسات اور جذبات نوجوانوں میں مقبول کرنے سے نہ صرف پیپلز پارٹی ایک عوامی جماعت کے طور پر ابھر کر سامنے آئی بلکہ حیات شیر پاؤ کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا گیا۔

۱۹۶۸ء کے اواخر مین خیبر پختونخوا کے طلبہ بھی کافی متحرک سیاسی گروپ کی شکل میں ابھر کر سامنے آ گئے تھے۔ ایوب خان کے خلاف تحریک میں طلبہ پیش پیش تھے۔ حیات شیر پاؤ نے ان کو پارٹی کا پلیٹ فارم مہیا کیا اور طلبہ تحریک کو پیپلز پارٹی کے ساتھ جوڑ دیا۔ وہ اپنے صوبے میں طلبہ تنظیموں کے علاوہ ایک عوامی نمائندے کے طور پر ابھر کر سامنے آ گئے تھے۔ پیپلز پارٹی کی پختون عوام میں پذیرائی کی ایک بنیادی وجہ حیات شیر پاؤ کا شخصی جادو بھی تھا۔ وہ ملکی سیاسی افق پر ابھرنے والے نو خیز نوجوان رہنما تھے، جو کسی بھی طرح کی سیاسی صلاحیتوں اور قائدانہ اطوار سے مالا مال تھے۔ وہ بھٹو کے عطا کردہ خطاب ''شیر سرحد'' کے علاو ہ ایک بے باک قومی اور معزز رہنما تھے اور اپنے سیاسی قائد بھٹو سے بڑھ کر قابل اور مدلل مقرر تھے۔[۲۲] جب ایوب خان حکومت کے خلاف تحریک شہری علاقوں سے ہوتی ہوئی دیہی عالقوں میں پھیل گئی تو بہت سارے سیاسی رہنما بشمول ذوالفقار علی بھٹو، ولی خان، شیخ مجیب، حیات شیر پاؤ اور دوسرے سیاسی قائدین پابند سلاسل کر دیے گئے ۔

شیر پاؤ گو کہ عمر اور تجربے کے حوالے سے ابھی اس منزل پر فائز نہیں ہوئے تھے کہ جہاں چہرے سے بزرگانہ جلال جھلکتا دکھائی دیتا ہو۔ لیکن ایک بات ضرور تھی کہ وہ اپنی سیاسی قابلیت اور قائدانہ صلاحیتوں کی بدولت بہت سارے سیاسی بزرگوں کی آنکھ کا کانٹا بن چکا تھے۔ اپنی سیاسی رقابت کے زمانے میں عبدالقیوم خان ان کو شیر پاؤ کی بجائے ''پاؤ شیر'' کہہ کر اپنا تجربہ اور بھاری بھرکم ہونے کا ثبوت دیا کرتے تھے۔ خان عبدالولی خان ان کو ''نا بالغ سیاستدان'' کہہ کر اپنی سیاسی بلوغت ثابت کیا کرتے تھے۔[۲۳]

ان کے سارے سیاسی مخالفین کو اس بات کا اندازہ بالکل نہ تھا کہ ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے کہ پختونوں کے نام پر سیاست کرنے والے یہ بڑے بڑے تجربہ کار سیاستدان اس نوخیز نوجوان کے سامنے کتنے چھوٹے نظر آئیں گے۔ اگر تاریخی طور پر دیکھا جائے تو صوبہ خیبرپختونخواہ کے سیاسی افق پر ہمیشہ تین قسم کی سیاسی جماعتوں کی اجارہ داری رہی ہے۔ ایک مسلم لیگ، دوسری روایتی قوم پرست جماعت جو کبھی خدائی خدمتگار کبھی نیشنل عوامی پارٹی اور کبھی اے این پی کی شکل میں نمودار ہوئی۔ اس طرح کی اور مذہبی جماعتیں جیسے جمعیت علمائے اسلام اور جماعت اسلامی نے خیبرپختونخوا کی سیاست میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان جماعتوں کو اس وقت خطرہ محسوس ہوا جب شیر پاؤ ایک متبادل قوت کے طور پر تیزی سے ابھرتے دکھائی دیئے، وہ کسی سیاسی طالع آزما کی پیدا وار نہ تھے بلکہ اپنی سیاسی قابلیت کی بناء پر عوامی سیاست اور جمہوری جدوجہد کی علامت بن کر ابھرے تھے۔ وہ اپنے سیاسی کیریئر میں خاصے متحرک اور متاثر کن کردار کے حامل رہے۔ انہوں نے ہمیشہ اصولوں کی سیاست کی اور کبھی بھی کسی آمر کی حکومت کا حصہ نہ رہے۔ پاکستان کے پہلے مارشل لاء صدر ایوب خان کی درخواست کے باوجود کوئی بھی حکومتی عہدہ قبول نہ کیا اور جب یحیٰی خان کی آمریت کے زیر سایہ سیاسی تضادات اور خود غرضانہ سیاست کے شاطر کھلاڑی واضح طور پر سامنے آ گئے تو شیر پاؤ تمام پختونوں کے سیاسی افق پر یکہ و تنہا عوامی سیاست، مزدوروں، طلباء و طالبات کے جمہوری جدوجہد کے ایک درخشاں ستارے کی مانند ابھرے۔

حیات شیر پاؤ کی بطورِ گورنر تقرری

۱۹۷۰ء کے انتخابات میں حیات شیر پاؤ نے صوبائی اسمبلی کے حلقہ PF-1 پشاور سے اپنے سخت

حریف عبدالقیوم خان کو شکست سے دو چار کیا۔ اس وقت ان کی عمر ۳۴ سال تھی۔ بھٹو نے اس کے بعد شیر پاؤ کو مختصر عرصے کیلئے خیبر پختونخوا کا گورنر اور پھر مرکزی کابینہ میں وزیر برائے پانی و بجلی اور قدرتی ذرائع کے عہدے پر تعینات کر دیا۔ خیبر پختونخوا کے گورنر کی حیثیت سے حیات شیر پاؤ نے ۲۵ دسمبر ۱۹۷۱ء کو حلف لیا۔ انتظامی امور کی انجام دہی کا یہ ان کا پہلا امتحان تھا۔ ایک قابل منتظم کے طور پر خود عوام کے سامنے پیش کیا۔

۱۹۷۰ء کے انتخابات کے دوران پیپلز پارٹی صوبہ خیرپختونخواہ میں نیشنل عوامی پارٹی اور مسلم لیگ کیلئے خاص طور پر ایک سخت حریف کے طور پر ابھر کر سامنے آئی۔ ترقی پسند سیاست کے حوالے سے صوبے میں صرف نیشنل عوامی پارٹی کی اجارہ داری چلی آ رہی تھی۔ اس پارٹی کا مقصد و مدعا پورے الیکشن کے دوران عبدالقیوم کو صوبے کی سیاست سے باہر رکھنے کا تھا۔ اس لیے پشاور کی صوبائی نشست پر اس نے شیر پاؤ کو سپورٹ کیا، لیکن قومی اسمبلی کی نشست پر اس قسم کے تعاون پر وہ آمادہ نہ تھی۔ آجماعت چاہتی تھی اور اس کا خیال تھا کہ پیپلز پارٹی صوبے میں نیپ اور جے یو آئی کی حکومت میں ایک کمزور حریف کی حیثیت کے پیش نظر دب کر رہ جائے گی۔[۲۴]

لیکن ۲۵ دسمبر ۱۹۷۱ء کو جب شیر پاؤ نے ولی خان کی موجودگی میں صوبہ سرحد کے گورنر کی حیثیت سے حلف اٹھایا، تو نیپ کے رہنماؤں کو یہ محسوس ہوا کہ خان عبدالقیوم خان کے صوبے سے باہر ہونے کے باوجود ان کیلئے صوبے میں سیاست اتنی آسان نہیں ہو گی۔ پختون قبائلی عصبیت کے پیش نظر بہت سے غیر جمہوری لوگ عوامی سیاست کے علمبردار شیر پاؤ کو قبول کرنے کیلئے بالکل تیار نہ تھے۔[۲۵]

یہ دسمبر ۱۹۷۱ء کی بات ہے کہ صوبہ سرحد میں خفیہ پولیس کے سربراہ مسٹر جامی نے مارشل لاء روایات کے مطابق پیپلز پارٹی کے کچھ کارکنوں کے ساتھ بدسلوکی کی تھی۔ شیر پاؤ ان ناراض پارٹی کارکنوں کو لے کر جامی صاحب کے پاس چلے گئے، مگر پولیس افسر نے شیر پاؤ کی بات سننے کے بجائے انہیں بھی نظر انداز کیا۔ جس کا شیر پاؤ کو بہت دکھ ہوا۔ اسی روز آپ نے چوک یادگار پشاور میں جلسہ منعقد کیا اور اپنی تقریر کے دوران جامی صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ ''جامی صاحب اب تمہارے دن پورے ہو گئے ہیں اور اب تمہیں عوامی احتساب سے کوئی نہیں بچا سکے گا''۔

۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو بھٹو صاحب نے ملک کے صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا عہدہ سنبھالا اور جواں سال شیر پاؤ کو صوبے کا گورنر بنایا۔ سیاسی افق پر اس تبدیلی کو دیکھ کر جامی صاحب کو یہ یقین ہو گیا کہ اب ان کے دن پورے ہو چکے ہیں۔ ۲۵ دسمبر کو جب شیر پاؤ نے گورنر کے عہدے کا حلف لیا تو اسی دن جامی صاحب کو گورنر ہاؤس طلب کیا اور اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ ''جامی صاحب آپ نے ماضی میں جو کچھ کہا، اسے بھول جاؤ ہم آپ کو معاف کرتے ہیں لیکن آئندہ آپ کے رویے سے عوام کو کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیئے'' یہ سن کر جامی صاحب آپ کے عفو و درگزر پر حیران رہ گئے۔۲۶

شیر پاؤ ایامِ سیاست کے اوائل ہی سے عوام میں بہت ہی زیادہ مقبول تھے۔ ۲۳ دسمبر ۱۹۷۱ء کو جب وہ گورنر بن کر پشاور ائیر پورٹ پہنچے تو شہر کے ہوائی اڈے پر تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔ خیبر پختونخواہ کے کونے کونے سے لوگ ان کے استقبال کیلئے آئے ہوئے تھے۔ ان کے بے پناہ چاہنے والوں نے صوبے کے پہلے عوامی گورنر کو کندھوں پہ اٹھا کر باقاعدہ ایک بہت بڑے جلوس کی شکل میں یونیورسٹی ٹاؤن میں ان کی رہائش گاہ لے جایا گیا۔ خیبر پختونخوا کے لوگ ابھی تک ان کے بطور گورنر تقریب حلف برداری کو یاد کرتے ہیں جس میں اعلیٰ حکومتی اور فوجی عہدہ داران اور سیاسی عمائدین کے ساتھ ساتھ عام مزدور، گاڑی بان اور کسان بھی ہزاروں کی تعداد میں شریک ہوئے تھے۔ یہ تقریب پشاور کے گورنر ہاؤس کی انوکھی تقریب تھی اور اس امر کی حقیقی غماز تھی کہ پختونوں کی تاریخ میں پہلی بار شیر پاؤ کے گورنر بننے کے ساتھ عوامی دور کا آغاز ہو گیا۔ آپ کے گورنر بننے کے دوسرے دن ہزاروں کی تعداد میں ان کے چاہنے والے ان سے ملنے گورنر ہاؤس پہنچ گئے۔ بعض نوجوانوں نے خوشی سے جذبات میں آ کر ان کو کندھوں پر اٹھایا اور نعرے بھی لگانا شروع کئے۔ دوسرے دن کسی صحافی نے ایک اخبار میں یہ خبر شائع کی کہ گورنر سرحد عوام کے ہجوم میں مشتعل ہو گئے جس کے بعد ان کو بڑی مشکل سے وہاں سے نکالا گیا۔ ریڈیو افغانستان اور آل انڈیا ریڈیو نے اس خبر میں اور بھی سنسنی پیدا کر دی کہ حیات شیر پاؤ کو مشتعل ہجوم سے بمشکل بچایا گیا اور بعض سر پھرے نوجوانوں نے ان کے کپڑے بھی پھاڑ ڈالے۔ اُس صحافی کی اس غلط خبر کی وجہ سے بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں اور وزیر اعظم بھٹو اور مرکزی کابینہ کے تقریباً تمام وزراء نے شیر پاؤ کی خیریت دریافت کرنے کیلئے فون

کیے۔ اگلے دن شیر پاؤ نے اس اخبار نویس کو بلا کر صرف اتنا کہا کہ "یار تمہاری خبر کی وجہ سے ہمیں سخت مشکل کا سامنا کرنا پڑا آئندہ احتیاط کرنا"۔[۲۷]

گورنری کے دوران آپ نے عوام سے ناتہ کبھی نہیں توڑا اور باقاعدہ روزانہ لوگوں سے ملتے اور ان کی شکایات سنتے اور موقع پر احکامات جاری کرتے تھے۔ ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ لوگوں میں پھیلی افسردگی، اس کو بہت حد تک رفع کرنے کی کوشش کی۔ جب آپ صوبے کے گورنر تھے تو مردان اور چارسدہ کے کچھ علاقوں میں زمین مالکان اور مزارع کے مابین ان کے بیدخلی کے مسئلے پر مسلح تصادم شروع ہوا۔ اس تصادم کے نتیجے میں کافی تعداد میں لوگ ہلاک اور زخمی ہوئے۔ گورنر کی حیثیت سے آپ نے ایک مصالحتی جرگہ تشکیل دیا۔ جس میں حکومتی اور زمین کے مالکان کے نمائندوں کے ساتھ ساتھ مزارع کے لوگوں کو بھی شامل کیا گیا۔ یہ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہوا کہ مزارع کو مالک کے ساتھ بٹھا کر اس کے مساوی حیثیت اور حق کو تسلیم کیا گیا۔[۲۸] اس کے علاوہ ان کے سامنے بہت سے مزدوروں کی دوبارہ بحالی کا مسئلہ تھا۔ ۱۹۷۱ء کی جنگ کے بعد صوبے میں صنعتی ترقی نہ ہونے کے برابر تھی۔ شدید مندی اور خراب معیشت کی وجہ سے بہت ساری صنعتیں ختم ہونے کی نہج تک پہنچ چکی تھیں، جس کی وجہ سے بہت سے کارخانوں کو بند کرنا پڑا تھا۔ اس صنعتی زبوں حالی کا براہِ راست اثر مزدور طبقہ پر سب سے زیادہ پڑا۔ بڑی تعداد میں لوگ بے روزگار ہو گئے۔ حیات شیر پاؤ نے صوبے میں صنعتکاروں اور تاجروں کے ساتھ کارخانہ داروں کو مراعات دے کر رکی ہوئی معیشت میں جان ڈالنے کی بھرپور کوشش کی۔ اور بہت سے مزدور دوبارہ برسرِ روزگار کر دیئے گئے تھے۔[۲۹]

تعلیم کے میدان میں صوبے کے گورنر کی حیثیت سے حتی الامکان کوشش کی کہ وفاقی حکومت سے زیادہ سے زیادہ فنڈز لے کر تعلیمی ترقی پر خرچ کرے۔ طلباء سے ان کی قربت بہت زیادہ تھی۔ ۱۱ مارچ ۱۹۷۲ء کو صوبے کے تمام کالجوں کی طلباء تنظیموں کا ایک اجلاس منعقد کیا، جس میں آپ نے مختلف سکولوں اور کالجوں جن کی تعداد اس وقت ۱۱ تھی کو Upgrade کرنے کے احکامات صادر کئے۔ اس کے علاوہ صوبے کے مختلف کالجوں میں ہاسٹلز، مساجد، تعلیمی ہالز اور جدید سائنسی لیبارٹریز بنوائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے بڑے بڑے منصوبے اور عوامی خدمات درج ذیل ہیں:

۱- دیر، سوات اور چترال میں Land Commission کا قیام۔

۲- حیات آباد ٹاؤن شپ پشاور کی تعمیر کیلئے ۱۵۰۰ ایکڑ رقبے کا انتظام۔

۳- کھلابٹ ٹاؤن شپ ہزارہ کی تعمیر۔

۴- وزیرستان (میران شاہ) میں Civil Colony کا قیام۔

۵- وزیرستان کے دور دراز علاقوں کو بجلی اور صاف پانی مہیا کرنے کا ایک بڑا منصوبہ منظور کیا۔۳۰

وفاقی وزیر کی حیثیت سے حیات شیر پاؤ کی خدمات

حیات شیر پاؤ ۲۹ اپریل ۱۹۷۲ء تک صوبے کے گورنر رہے۔ اس کے بعد جب نیشنل عوامی پارٹی اور جمعیت علمائے اسلام کے اتحاد کی پیپلز پارٹی کے ساتھ حکمرانی کے شراکتی فارمولے پر دستخط ہو گئے تو نیشنل عوامی پارٹی کے سکندر خان خلیل صوبے کے نئے گورنر بن گئے۔ اسی دوران انہوں نے دو حیثیتوں سے سیاسی خدمات سرانجام دیں۔ مرکزی کابینہ میں وہ وفاقی وزیر برائے پانی و بجلی، صنعت اور قدرتی ذرائع تھے۔ جبکہ خیبر پختونخوا کے صوبائی اسمبلی میں وہ قائد حزب اختلاف کے طور پر کام کر رہے تھے۔ قانونی اور آئینی طور پر اس وقت اس طرح ممکن تھا، جس کو بعد میں ۱۹۷۳ء کے آئین میں ختم کر دیا گیا۔

اس سلسلے میں آپ نے ملک کے مختلف علاقوں میں چینی بنانے کے کارخانے اور بہت سے دوسرے ترقیاتی منصوبوں کی منظوری دی۔ مختلف یورپی ملکوں کے ساتھ توانائی اور سستی بجلی پیدا کرنے کے معاہدوں کو حتمی شکل دی۔وفاقی وزیر برائے پانی و بجلی و قدرتی ذرائع کی حیثیت سے حیات شیر پاؤ نے متعدد ایسے اقدامات اٹھائے، جس کی وجہ سے بجلی اور توانائی کی پیداوار میں خاطرخواہ اضافہ ہو گیا تھا۔ ان کی کوششوں سے ۸ جون ۱۹۷۲ء کو واپڈا اور جرمنی کی ایک کمپنی کرافٹ ورک یونین اکٹینجسل شافت (Kraft-Work Union Aktiengesell-Schaft) کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے، شیخ مندہ پاور سٹیشن کی پیداواری صلاحیت میں اضافہ ہونے کے ساتھ دو (۲) اضافی یونٹ جو تین سال سے کم وقت میں تعمیر ہو سکے۔ اسی طرح یہ دو یونٹ علیحدہ سات ہزار پانچ سو کلو واٹ بجلی پیدا کر سکیں۔ اس کے علاوہ اس وقت کے گورنر بلوچستان جناب غوث بخش بزنجو کی خواہش پر ایک طاقتور گرڈ سٹیشن بلوچستان کے دارالحکومت کوئٹہ میں قائم کرنے کے حوالے سے ایک کمیٹی تشکیل دی تھی۔ تاکہ وہاں پر بجلی کی کمی پر قابو پایا جا سکے۔۳۱

اُن کی وزارت کے دور میں شیخ مندہ پاور پلانٹ سے بلاتعطل بجلی کارخانوں اور عام آبادی کو فراہم کی جاتی تھی۔ جولائی ۱۹۷۱ء تا جون ۱۹۷۲ء مرمت اور دیکھ بھال کی وجہ سے دن میں صرف دو گھنٹے تک بجلی کی فراہمی روک دی جاتی تھی۔ ان کے وزارت کے دور میں بلوچستان اور خیبرپختونخوا میں ان صوبوں کی پسماندگی کی وجہ سے بجلی کے نرخ بہت کم رکھے گئے تھے۔ واپڈا میں بجلی کی چوری اور دوسری بے قاعدگیاں دور کرنے کے حوالے سے آپ نے غیر معاندانہ رویہ اختیار کیا۔ اور بلا خوف وخطر بڑے بڑے بجلی چوروں کے خلاف کارروائی کا حکم دیا۔ اپنی ایک تقریر میں شیر پاؤ نے قومی اسمبلی میں کہا:

> واپڈا میں جو بے قاعدگیاں ہیں ان کیلئے ایک ہائی پاور کمیٹی بنائی جائے جس میں ہر صوبہ کا نمائندہ ہو۔ وہی کمیٹی چھان بین کر کے آئندہ کیلئے طریق کار وضع کرے گی اور جو فیصلہ کرے گی اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ لیکن ابھی تک جو بے قاعدگیاں ہوئی ہیں اور جوحکومت کے نوٹس میں آئی ہیں اس پر ہم ضرور ایکشن لیں گے اور کسی کو معاف نہیں کریں گے۔۳۲

اپنی وزارت کے دوران شیر پاؤ نے کپڑے کی پیداوار کی طرف بھی خصوصی توجہ دی۔ جس کی وجہ سے پیداوار میں پانچ فی صد اضافہ ہوا جس کی وجہ سے کپڑا غریب عوام کو سستے داموں مہیا ہونے لگا۔ اس کے علاوہ ملتان میں دو اور رحیم یارخان میں ایک شوگر مل قائم کرنے کے احکامات جاری کیے۔ شیر پاؤ نے روزمرہ کی ضرورت اور استعمال کی چیزوں کی وافر مقدار میں دستیابی اور قیمتوں میں کمی کے لیے اپنی وزارت میں خاطر خواہ اقدامات کیے۔ جس کی باقاعدہ خود نگرانی کیا کرتے تھے۔ سرکاری گوداموں سے عوام کو آٹا گھی اور چینی کی دستیابی کو بہت کم قیمت میں یقینی بنانے کیلئے اقدامات کئے۔ آپ اس کی حتی الامکان یہی کوشش رہی کہ عام آدمی پر بوجھ کم سے کم پڑے اور اس وجہ سے روزمرہ استعمال کی اشیاء کی قیمتیں ان کی استعداد کے مطابق ہی رہیں۔ ملک میں چینی کی قلت دور کرنے کیلئے مارچ ۱۹۷۲ء میں ۳۴ کروڑ کی خطیر رقم سے چینی باہر کے ممالک سے درآمد کی گئی۔ اس کیلئے چینی کی درآمدی ڈیوٹی ۴۰۰ روپے سے کم کر کے ۱۲۰ روپے فی ٹن کر دی گئی تھی۔ اس ضمن میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ قبائلی علاقوں میں راشن کی کمی دور کرنے کیلئے خصوصی اقدامات کیے اور اس کے ساتھ ساتھ قبائلی کوٹے میں خاطرخواہ اضافہ کیا۔شمالی وزیرستان میں ماچس کی کمی دور کرنے کیلئے کارخانے لگانے کی ایک تجویز غور کیلئے پیش کی۔ اسی طرح ہزارہ ڈویژن میں لکڑی کی بہتات کو مدنظر

رکھ کر ایک ماچس کا کارخانہ لگانے کیلئے تجاویز طلب کی تھی۔[۳۳]

حیات شیر پاؤ نے Economic Reforms Order کے تحت بنیادی صنعتوں کی دس حصوں میں درجہ بندی کی۔ جو پبلک سیکٹر کیلئے مختص کی گئی تھیں۔ پرائیویٹ صنعتکاروں کو مراعات دی اور مختلف کارخانے لگانے کیلئے اُن کو زیادہ سے زیادہ سہولیات مہیا کرنے کے احکامات جاری کیے۔ چھوٹے صنعتکاروں کی حوصلہ افزائی کیلئے کاٹیج انڈسٹری کو صوبائی حکومتوں کے حوالے کیا۔[۳۴] جب سوات کے علاقوں کوہستان اور شانگلہ میں شدید زلزلے سے کاروبار زندگی بری طرح متاثر ہوا، تو حیات شیر پاؤ نے لوگوں کی دوبارہ آبادکاری کیلئے انقلابی بنیادوں پر اقدامات کیے۔ سرکاری مشینری جنگی بنیادوں پر متحرک رہی اور تھوڑے ہی عرصے میں بہت زیادہ لوگوں کو اپنے اپنے علاقوں میں دوبارہ آباد کیا۔ ۱۹۷۲ء میں وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو جب پاکستان کے فوجی قیدیوں اور جنگ بندی کے مسئلے پر اندرا گاندھی سے مذاکرات کیلئے شملہ جا رہے تھے، تو اس کے ساتھ وفد میں شریک دوسروں کے علاوہ حیات شیر پاؤ بھی تھے۔

شہادت

۸ فروری ۱۹۷۵ء کو اپنی شہادت سے پہلے حیات شیر پاؤ پر تین قاتلانہ حملے ہو چکے تھے۔ سب سے پہلے جون ۱۹۷۴ء میں جب وہ اپنے گاؤں تشریف لائے، تو اس وقت گھر پر ہی ان کو دھماکے میں مروانے کی کوشش کی گئی تھی۔ ایک مرتبہ چارسدہ میں ایک سیاسی جلسے میں ان کونشانہ بنا کر قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا، جو کامیاب نہیں ہوا۔ فروری ۱۹۷۵ء میں پھر ان کے قتل کی سازش تیار کی گئی جب وہ گورنمنٹ پولی ٹیکنک انسٹیٹیوٹ پشاور میں طلباء کی ایک تقریب میں شریک تھے، لیکن یہ سازش اس لیے کامیاب نہیں ہوئی کہ اس وقت سٹیج پر دوسروں کے علاوہ نیشنل عوامی پارٹی کے ایک سرکردہ رہنما افراسیاب خٹک بھی بیٹھے ہوئے تھے۔[۳۵]

۸ فروری ۱۹۷۵ کو پشاور یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ کی ایک تقریب کے دوران بم دھماکے میں آپ کو شہید کر دیا گیا۔ اس دن آپ شعبہ تاریخ سے وابستہ History Society کے عہدے داران کے حلف کی تقریب میں مہمان خصوصی کے طور پر مدعو تھے۔ آپ تقریبا چار بجے عصر کے وقت یونیورسٹی کے سینٹ ہال میں پہنچ چکے تھے۔ حیات شیر پاؤ کی تقریر سے پہلے پروفیسر ڈاکٹر منور خان

چیئر مین شعبہ تاریخ اور عبدالحمید صدر ہسٹری سوسائٹی نے تقریریں کی۔ پھر ایک تحریر کردہ تقریر شیر پاؤ کے حوالے کی گئی جو انہوں نے تہہ کر کے اپنی فائل میں رکھی۔ اپنی تقریر کے دوران سامعین میں بیٹھے اپنے ایک استاد نور الحق نقوی کی طرف اشارہ کر کے انہوں نے کہا کہ آج میں اپنے استاد کے سامنے زیادہ نہیں بولوں گا۔ دس منٹ کی یہ تقریر ان کی زندگی کی آخری اور مختصر ترین تقریر ثابت ہوئی۔ تقریر ختم کرنے کے بعد حیات شیر پاؤ کو چائے کیلئے دعوت دی گئی کہ اتنے میں ہسٹری سوسائٹی کے ایک ممبر نے ان سے سوسائٹی کیلئے رقم کے اعلان کا مطالبہ کیا۔ جب وہ دوبارہ ڈائس کی طرف بڑھے اور زبان سے کچھ الفاظ ادا ہی کئے تھے کہ اتنے میں ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ حیات شیر پاؤ کو انتہائی زخمی حالت میں سی ایم ایچ پشاور لے جایا گیا، جہاں پر وہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ دھماکے میں شعبہ تاریخ کے تین اساتذہ پروفیسر نورالحق نقوی، پروفیسر منور خان اور پروفیسر حسین خان، یونیورسٹی کے رجسٹرار حسن خان، شعبہ تاریخ کے طالب علم پرویز اقبال، رب نواز، فرزانہ پروین، زاہدہ نیازی اور الماس بی بی زخمی ہو گئے تھے۔شعبہ تاریخ کے طالب علم صدر عبدالحمید بھی ۱۲ فروری کو انتقال کر گئے۔۳۶ جس ہال میں یہ دھماکہ ہوا تھا وہاں پر کوئی چیز سلامت نہیں بچی۔ ہال میں موجود تمام فرنیچر، الماریاں، اور شیشے ٹوٹ گئے تھے۔ دھماکہ اتنا شدید تھا کہ ہال کی چھت اڑ گئی اور اس میں سوراخ ہو گیا۔

دھماکے کی شدت سے شیر پاؤ بہت دور جا گرے اور ان کی جسم کا بایاں حصہ بری طرح سے مسخ ہو گیا تھا اور ایک ٹانگ جسم سے مکمل طور پر جدا ہو گئی تھی۔ دھماکہ ہوتے ہی ہال میں موجود لگ بھگ پانچ سو کے قریب طلباء و طالبات میں بھگدڑ مچ گئی۔ شیر پاؤ کو شدید زخمی حالت میں ہسپتال لے جانے کیلئے گاڑی میں ڈالا گیا۔ ہسپتال کے راستے میں وہ کوئی بات کرنے کے قابل نہ تھے اور بمشکل سانس لے رہے تھے۔ مسلسل خون بہتا رہا۔ جس وقت حیات شیر پاؤ نے دم توڑا تو اس وقت ان کے چھوٹے بھائی(موجودہ چیئر مین قومی وطن پارٹی) آفتاب احمد خان شیر پاؤ ان کے سرہانے کھڑے تھے، انہوں نے نعش کو ایمبولینس میں رکھا۔جس وقت ان کی نعش سی ایم ایچ سے آبائی گاؤں شیر پاؤ کیلئے روانہ ہوئی تو ایک قیامت برپا ہوئی۔ ان کے ہزاروں چاہنے والوں اور عوام کے ایک بے پناہ ہجوم نے ماتم شروع کیا، ہر شخص کی آنکھ اشکبار تھی۔ ان کے چاہنے والے دھاڑیں مار مار کر

رو رہے تھے اور ہر شخص چلا رہا تھا کہ ''وہ لا وارث ہو گیا''۔

شیر پاؤ کی میت کو قومی جھنڈے اور پاکستان پیپلز پارٹی کے جھنڈے میں لپٹے ہوئے تابوت میں جلوس کی شکل میں آخری آرام گاہ تک انتہائی عقیدت و احترام سے پہنچایا گیا۔ لوگوں اور سیاسی کارکنوں کا ایک بے ہنگم سیلاب آپ کے آخری دیدار کیلئے اکٹھا ہو گیا۔ ان کی نماز جنازہ میں لاکھوں لوگوں نے شرکت کی۔ جس وقت میت کو لحد میں اتارا جا رہا تھا تو ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ بعض لوگ شدت غم سے نڈھال تھے اور بعض نوجوان اپنے سر درختوں سے ٹکرا رہے تھے اور کچھ لوگ بے ہوش ہو گئے۔ شیر پاؤ کی شہادت کے سوگ میں ملک کے بیشتر گھروں پر سیاہ پرچم لہرا رہا تھا۔ نماز جنازہ میں دیگر افراد کے علاوہ صدر پاکستان فضل الٰہی چودھری، چیئرمین سینٹ جناب حبیب اللہ خان، گورنر سرحد سید غواث، وزیر اعلیٰ سردار عنایت اللہ گنڈاپور، وفاقی وزراء عبدالحفیظ پیرزادہ، یوسف خٹک، خان عبدالقیوم خان، شیخ محمد رشید، رفیع رضا، کوثر نیازی، ڈاکٹر مبشر حسن، غلام مصطفیٰ کھر اور سرحد کابینہ کے تمام وزراء نے شرکت کی۔ ۳۷

اُن کی شہادت کا نہ صرف اُن کے خاندان پر گہرا اثر پڑا بلکہ میدانِ سیاست میں دیگر شعبہ ہائے زندگی پر بھی منفی اثرات مرتب ہونے لگے۔ ان کے انتقال پر صوبے کے عوام میں غم و غصے کے جذبات پھیل گئے۔ عوامی احتجاج کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا۔ کچھ دنوں کیلئے سوگ میں صوبے کے تمام تعلیمی ادارے، عدالتیں اور سرکاری دفاتر بند رہے۔ حکومت پاکستان کی طرف دو روزہ تعطیل کا اعلان کیا گیا اور قومی جھنڈا سرنگوں رہا۔

شیر پاؤ گاؤں میں جنازے کے دن بڑی تعداد میں گاڑیاں، کاریں، بسیں اور ٹرک نظر آ رہے تھے۔ انتہائی سخت سکیورٹی اور انتظامات کے باوجود سوگواروں پر قابو پانا مشکل ہو گیا، جس کی وجہ سے دو مرتبہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ جب ہزاروں لوگ مرحوم رہنما کو قبر میں دفن کر چکے تو ہر طرف گہری افسردگی طاری تھی۔ لوگ خاموشی سے سر جھکائے قبرستان میں بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک شاعر کی درد بھری آواز ابھری جو شیر پاؤ شہید کو نذرانہ عقیدت پیش کر رہا تھا۔ ان کے اشعار کا مفہوم کچھ یوں تھا:

> اے میدان جنگ کے شہید! اس چمن پر خزاں آ گئی، کیونکہ تم ہمیں افسردہ چھوڑ کر چلے گئے ہو۔ بلاشبہ تم قائداعظم کے قبیلے سے تھے۔ جبھی تو پورا پاکستان تم پر نوحہ کناں ہیں۔ اگرچہ ہم حشر تک تمہاری صورت نہیں دیکھ سکیں گے مگر ہم دل کی دھڑکنوں میں تمہارا پیغام یاد رکھیں گے۔ ۳۹

حیات شیر پاؤ کی شہادت سے ان کے قاتلوں نے ایک عظیم علمی درسگاہ کے تقدس کے ساتھ ساتھ پختونوں کی اعلیٰ روایات اور مقدس اصولوں مثلاً شجاعت، مردانگی، اعلیٰ ظرفی، تحمل، بردباری اور روشن خیالی کو بھی داغدار کر دیا۔ ان کے قاتلوں نے اپنے ایک سیاسی حریف کو ایک علمی درسگاہ میں نوجوان طلباء و طالبات اور اساتذہ صاحبان کے درمیان نشانہ بنا کر یہ ثابت کیا کہ وہ نہ صرف علم دشمن تھے بلکہ پختون مخالف بھی تھے۔ وہ اگر پختون دوست ہوتے تو خیبر پختونخواہ کے مادرِ علمی کو بھی نشانہ نہ بناتے، جس کو نہ صرف خیبر پختونخواہ بلکہ بلوچستان اور افغانستان کے پختون ایک عبادت گاہ کا درجہ دیتے ہیں۔

بھٹو انہی دنوں سرکاری دورے پر امریکہ گئے ہوئے تھے۔ حیات شیر پاؤ کی شہادت کا سن کر انہو ں نے رومانیہ کا طے شدہ دورہ ملتوی کیا اور ۹ فروری کو وطن واپس تشریف لے آئے۔ ۱۰ فروری کو وہ حیات شیر پاؤ کی قبر پر فاتحہ خوانی کیلئے شیر پاؤ تشریف لائے اور ان کی قبر کے ساتھ بیٹھ کر روئے۔ فرحت اللہ بابر لکھتے ہیں کہ ذوالفقار علی بھٹو حیات شیر پاؤ کی موت کا سن کر بہت دیر تک سکتے میں رہے۔ پھر ایچ۔کے۔ برکی جو کہ وزیر اعظم کے ساتھ دورے پر جانے والے صحافیوں میں سے ایک تھے ،کو اپنے کیبن میں بلایا اور ان کے سامنے زور زور سے رونے لگے۔ ۱۰ فروری کو بھٹو نے پشاور یونیورسٹی کے اس ہال کا دورہ کیا جہاں حیات شیر پاؤ کو شہید کیا گیا۔[۴۰]

شیر باز خان مزاری اس قتل کے حوالے سے کتاب میں لکھتے ہیں کہ حیات شیر پاؤ انہی دنوں میں بھٹو سے سخت دلگیر تھے۔ وزیر اعظم بھٹو ان کی عوام میں بے پناہ مقبولیت کی وجہ سے ہر موقع پر ان کو نظرانداز کرتے تھے لہٰذا سیاسی طور پر ان کو الگ تھلگ کیا گیا۔ شیر باز خان مزاری پاکستان پیپلز پارٹی کے اس وقت کے ایک سینئر رہنما کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حیات شیر پاؤ نے اپنی موت سے کچھ دن پہلے پارٹی چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن ہمارے کہنے پر انہوں نے اپنا ذہن تبدیل کیا۔ ان کی موت کی وجہ غالبًا یہی سیاسی رقابت ہوسکتی ہے جس کی وجہ سے یہ شک کیا جاتا ہے کہ ان کو اپنے لیڈر ذوالفقار علی بھٹو کے حکم پر قتل کیا گیا۔[۴۱]

اسی دور میں پاکستان کے سیاسی افق پر بہت سے سیاسی لوگ قتل ہوئے۔ دوست احباب ان کو بھی عوامی مقامات میں جلسے اور ریلیاں منعقد کرنے سے منع کرتے تھے۔ لیکن وہ عوام سے دور جانا

نہیں چاہتے تھے۔ احسان بٹ حیات شیر پاؤ کے قتل سے متعلق درج ذیل سازشی تھیوریاں پیش کرتے ہیں:

(۱) ذوالفقار علی بھٹو حیات شیر پاؤ کی عوام میں بڑھتی ہوئی مقبولیت سے خائف تھے۔ شیر پاؤ بھی اس بات سے باخبر تھے کہ بھٹو ان کی سیاسی پوزیشن سے خائف ہیں۔ اسی بناء پر وہ کسی دوسری پارٹی میں شامل ہونے کا سوچ رہے تھے۔ آخر میں وہ اپنی علیحدہ سیاسی جماعت بنانے کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ ان کے اس قسم کے ارادوں سے پی پی پی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہناتے، ان کو قتل کر دیا گیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بھٹو نے حیات شیر پاؤ کو اس لیے قتل کروایا کہ وہ نیشنل عوامی پارٹی میں شامل ہونا چاہتے تھے۔

(۲) حیات شیر پاؤ کے بے نظیر بھٹو سے خاص مراسم تھے۔ دونوں ایک دوسرے سے شادی کرنا چاہتے تھے، لیکن ذوالفقار علی بھٹو ان کی شادی مخدوم امین فہیم سے کروانے کے حق میں تھے، اس لیے ان کو قتل کیا گیا۔

(۳) پارٹی کے تمام قائدین کی نسبت حیات شیر پاؤ کا اثر و رسوخ پاکستان پیپلز پارٹی میں کافی زیادہ تھا۔ وہ ذوالفقار علی بھٹو کی جگہ لینا چاہتے تھے ۔

(۴) ذوالفقار علی بھٹو کسی بڑے سیاسی رہنما کو قتل کر کے نیشنل عوامی پارٹی پر پابندی لگانا چاہتے تھے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے شیر پاؤ کو منظر عام سے ہٹایا گیا۔

حسن عباس اپنی کتاب *Pakistan Drift into Extremism, Allah, the Army and American War on Terror* میں لکھتے ہیں کہ حیات شیر پاؤ بھٹو سے سخت نالاں تھے اور پارٹی چھوڑنے کا سوچ رہے تھے۔[۴۲] یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان کے قتل سے متعلق بہت سے سوالات ایک معمہ ہے اور محققین اس حوالے سے نئے شواہد کے بغیر کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پائیں گے۔ان کی شہادت کے ساتھ یہ بات واضح طور پر نظر آ رہی تھی کہ ان کے ترقی پسندانہ سیاسی نظریات و خیالات ایک نہ ایک دن ایسی تحریک کی شکل اختیار کر لیں گے، جس کے ذریعے معاشرے میں نادار، غریب اور ضرورت مند لوگوں کی آواز اقتدار کے ایوانوں تک پہنچ پائے گی۔

بہت سے تجزیہ نگار شیر پاؤ کی موت کو صوبے میں بموں اور دھماکوں کی ڈیڑھ سالہ مہم سے جوڑتے ہیں۔ لوگ یہ بھی تجزیہ کرتے ہیں کہ شیر پاؤ کو شہید کرنے والا بم ایک میز میں فٹ کر دیا گیا تھا۔ پولیس اور ان کی سکیورٹی پہ مامور دوسرے لوگوں نے بھی احتیاطی تدابیر کے طور پر ہال کی تلاشی نہیں لی، جس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ صوبہ سرحد کی حکومت پولیس کی کارکردگی سے خوش نہیں تھی۔ حیات محمد خان شیر پاؤ کا قتل اور اس کے پیچھے جو محرکات کارفرماں تھے اب ایک راز ہیں۔ بعض لوگ یہ قتل ایک بین الاقوامی سازش کا نتیجہ بھی قرار دیتے ہیں۔ وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے شیر پاؤ گاؤں میں اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ یہ قتل سیاسی نوعیت کا ہے اور اس کے تانے بانے ملک سے باہر افغانستان، ہندوستان بلکہ کسی سپر پاور تک جا کر مل سکتے ہیں۔[۴۳] اور یہ ایک وسیع اور پیچیدہ موضوع ہے اور جب تک کوئی واضح ثبوت یا ٹھوس شواہد سامنے نہیں آتے، سب باتیں اندھیرے میں محض ٹامک ٹوئیاں مارنے کے مترادف ہے۔

حیات محمد خان کی شخصیت کا عوامی پہلو بہت ہی زیادہ ممتاز اور نمایاں تھا۔ آپ خدمات خلق، جرأت و بہادری ایثار اور انکسار کے پیکر تھے۔ اپنی زندگی کے آخری آٹھ مہینوں میں انہیں صوبے کے وزیر داخلہ کی حیثیت سے تخریب کار عناصر کے خلاف سرگرم جہاد کرنا پڑا۔ آپ اپنی ہر تقریر میں ان تخریبی عناصر کو مخاطب کر کے کہتے تھے کہ شیر پاؤ کے جسم میں جب تک خون کا ایک قطرہ بھی باقی ہے، دشمن پاکستان کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

ایک دفعہ شیر پاؤ ملاکنڈ ڈویژن کے دورے کے سلسلے میں ضلع دیر میں ایک تقریب میں شریک تھے۔ اس دوران انہیں اچانک پشاور اور پھر راولپنڈی طلب کر لیا گیا۔ فوج کا ایک ہیلی کاپٹر ان کو لینے دیر پہنچا۔ گورنر کے ساتھ ہیلی کاپٹر میں کسی صحافی کو بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔ سرکاری حکام نے فوٹو گرافروں کو بھی روک لیا۔ اسی وقت ایک صحافی نے عملے کے کچھ حکام سے منت کی کہ کسی طرح ان کے کیمرے کی فلم پشاور پہنچا دی جائے تا کہ اگلے دن اخبار میں تصاویر لگ جائیں۔ شیر پاؤ ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے، انہوں نے اس فوٹو گرافر کو آواز دے کر بلایا اور خود ان سے کیمرے کی فلم لے لی۔ پشاور پہنچ کر خود اس فلم کو اسی اخبار کے دفتر میں بھجوایا۔ سرکاری حکام اور گورنر ہاؤس کا عملہ اس بات پر بڑے حیران ہوئے کہ ایک عوامی حاکم کا طرز عمل ان کی سمجھ سے بالا تر تھا۔[۴۴]

حاصل کلام

حیات محمد خان شیر پاؤ کی جدوجہد اور سیاسی نظریات دیکھ کر یہ بات بہت واضح ہو جاتی ہے کہ وہ پاکستانی سیاست میں نوجوان نسل کے نمائندے تھے۔ ان کی سیاسی زندگی ترقی پسندانہ سوچ رکھنے والے مزدوروں، طلباء اور معاشرے کے عام طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی عکاس تھی۔ پاکستان کی روایتی سیاسی تاریخ کا اگر تجزیہ کیا جائے تو باآسانی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ ملک کے استحصال پسند طبقوں نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ کسی طرح عام طبقے کے نوجوان اور نئی نسل کے ابھرتے ہوئے ترقی پسند نمائندوں کا عملی سیاست میں عمل دخل کم کر سکے۔ حیات شیر پاؤ پاکستان کے نوجوان نسل کے ایک ذمہ دار رہنما تھے۔ اس لیے پاکستان کی سیاست میں ان کا متحرک کردار بہت سارے مفاد پرست عناصر کیلئے خطرے کی گھنٹی تھا۔ وہ اکثر اوقات عوامی سیاست میں مصروف رہتے تھے۔ ان کا ایک مشہور قول ہے:

> زندگی، وزارت یا کسی بھی بڑے عہدے کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے عہدے اور شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ ہمیشہ انسان کا ساتھ نہیں دیتے۔ یہ سب وقتی اور عارضی چیزیں ہیں۔اصل خزانہ عوام کی خدمت ہے جو لافانی اور حقیقی سیاست کی عملی تصویر ہے۔[۴۵]

حیات شیر پاؤ کو ایک ایسے وقت میں شہید کر دیا گیا جب کہ ملک متعدد بیرونی اور اندرونی خطرات میں گھرا ہوا تھا۔ سالہا سال کی محرومیوں اور مسائل کے بعد ملک سیاسی طور پر جمہوریت کی پٹڑی پر چڑھ چکا تھا۔ آج کل کے حالات میں بھی ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک میں جمہوریت کو قائم و دائم رکھنے کیلئے عوامی سطح پر شعور اجاگر کیا جائے۔ عوام میں جمہوری قدروں اور اصولوں کو پختہ کیا جائے تا کہ آئندہ کیلئے آمریت اور عوام دشمن عناصر کی مکمل طور پر بیخ کنی ہو جائے۔ عوام اپنے اندر جمہوریت کی حفاظت کے جذبے کو پیدا کریں اور یہ عزم کریں کہ باہمی اتحاد سے ملک میں دہشت گردی اور افراتفری پھیلانے کی ہر کوشش کو ناکام بنائیں گے۔

حیات شیر پاؤ کی شہادت کے بعد چھوٹے بھائی اور موجودہ چیئر مین قومی وطن پارٹی آفتاب احمد خان شیر پاؤ ان کے سیاسی جانشین بن کر ابھرے، اور اسی مشن کو جاری رکھتے ہوئے ۲۰۱۲ء کے اواخر میں قومی وطن پارٹی کی بنیاد رکھی۔ آج کل آفتاب احمد خان شیر پاؤ قومی وطن پارٹی کو نہ صرف

خیبر پختونخوا بلکہ کراچی، پنجاب اور بلوچستان کے پختونوں میں فعال کرنے کی کوششوں میں مصروف عمل ہیں۔ قومی وطن پارٹی کے سیاسی منشور کے حوالے سے غیر جانبدار تجزیہ نگاروں کی رائے ہے کہ یہ پارٹی بہت جلد پورے پختونوں کی ایک نمائندہ جماعت بن کر ابھرے گی۔ پارٹی نے جس طریقے سے خیبر پختونخوا اور دوسرے صوبوں کے پختونوں کیلئے آواز اٹھائی ہے، اس سے یہ اندازہ باآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ آنے والے وقتوں میں خیبر پختونخوا کی سیاست پر اس کے دور رس اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ آفتاب احمد خان شیر پاؤ پارٹی کے نظریاتی کارکنوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد رکھ کر حیات شیر پاؤ کی عظیم قربانی کو خراج تحسین پیش کرنے کیلئے ہر سال ۸ فروری کو شہید وطن کے دن کی مناسبت سے مناتے ہیں۔ قومی وطن پارٹی کے قیام کے بعد اس دن کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اُس کی وجہ پارٹی کی وہ نظریاتی اساس ہے جو حیات شیر پاؤ کی خدمات اور قائدانہ صلاحیتوں کے علاوہ مادرِ وطن کے ساتھ قومی وطن پارٹی کے لاکھوں کارکنوں کی والہانہ عقیدت پر منتج ہو جاتی ہے۔

شیر پاؤ نے قومی اتحاد کیلئے اتنی تندہی سے کام کیا کہ آپ ملک کے استحکام اور قومی یک جہتی کی علامت کی حیثیت اختیار کر گئے۔ گو کہ آپ خیبر پختونخوا اسمبلی کے ممبر منتخب ہو گئے تھے، لیکن سیاسی اور سماجی میدان میں آپ پورے ملک کی ہر دل عزیز شخصیت تھے۔ ان کی بے لوث خدمت، جذبہ حب الوطنی، ترقی پسند سوچ اور قومی سیاست میں ان کے مثبت کردار کی وجہ سے ہر صوبے اور علاقے کے لوگ ان کے گرویدہ تھے۔ بطورخاص پختون قوم ان کی عظیم قربانی کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

حوالہ جات

۱- مرزا الغ بیگ ظہیر الدین بابر کا چچا تھا جو ۱۵۰۱ء تک کابل کا حکمران رہا تھا۔ اس کے دورِ حکومت میں پختونوں کے یوسفزئی قبیلے سے اختلافات کی وجہ سے قبیلے کے چیدہ چیدہ سرداران، ملکان اور مشیران کو محل میں بلا کر کھانے پر قتل کیا گیا تھا۔ بعد میں پورے یوسفزئی قبیلے نے دوسرے اتحادی پختون قبائل کے ساتھ مل کر کابل سے وادی پشاور کی طرف ہجرت کی تھی۔ محمد زئی قبیلہ اس وقت یوسفزے قبیلے کا اتحادی تھا۔
Naveed-ur-Rehman, *Hayat Muhammad Khan Sherpao: A Biographical Profile*, (Peshawar: Unpublished M.Sc thesis Pakistan Study Centre, 1999), p. 9.

۲- محمد شفیع صابر، شخصیات سرحد (پشاور: یونیورسٹی بک ایجنسی) ص ۴۶۷۔

۳- عبدالولی خان، رښتیا، رښتیا وی (کابل: دقومونو او قبائلو وزارت، ۱۹۸۷ء) ص ص ۱۵۰-۱۵۳۔

۴- محولہ بالا، ص ۱۵۵۔

5. Dr. Riaz Ahmad, *The Frontier Muslim League 1913-1947: Secret Police Abstracts,* (Islamabad: National Institute of Historical and Cultural Research, 2008), p. 113.

6. *Ibid.,* 144.

7. *Ibid.,* 118.

8. Dr. Muhammad Anwar Khan, *The Role of NWFP in the Freedom Stguggle* (Lahore: Research Society of Pakistan, 2000), p. 327.

9. Sikandar Hayat, *Aspects of Pakistan Movement* (Islamabad: National Institute of Historical and Cultural Research, 1998), p. 193.

۱۰- علامہ مفتی مدرار اللہ مدرار، *خان عبدالغفار خان: سیاست اور عقائد* (لاہور: شرکت پرنٹنگ پریس، ۱۹۹۵ء) ص ٦٧۔

۱۱- محولہ بالا، ص ۸۱۔

۱۲- محولہ بالا۔

۱۳- محمد شفیع صابر، *شخصیات سرحد* (پشاور: یونیورسٹی بک ایجنسی) ص ۴۳۔

14. Naveed-ur-Rehman, *Hayat Muhammad Khan Sherpao: A Biographical Profile,* p. 31.

15. *Ibid.*

16. *Ibid.,* p. 33.

۱۷- محمد شفیع صابر، *شخصیات سرحد* (پشاور: یونیورسٹی بک ایجنسی) ص ۴۵۔

۱۸- محولہ بالا، ص۴٦۔

۱۹- عبدالولی خان، *باچا خان او خدائی خدمتگاری،* دویم ٹوک (چارسدہ: ن-د) ص ۴۴۱۔

20. asiacorrespondence.com

21. Naveed-ur-Rehman, *Hayat Muhammad Khan Sherpao: A Biographical Profile,* p. 48.

22. Syed Tahir Zaidi, Hasan Askari Fatmi, *Sherpao Shaheed* (Karachi: Production Monitors, 1975) p. 85.

23. *Ibid.,* p. 59.

24. *Ibid.*

25. *Ibid.,* p. 90.

26. *Ibid.,* p. 91.

27. Naveed-ur-Rehman, *Hayat Muhammad Khan Sherpao: A Biographical Profile,* p. 61.

28. *Ibid.*

29. *Ibid.,* p. 64.

۳۰- قومی اسمبلی تقاریر۔

۳۱- ایضاً، ص ۴۹۔

۳۲- ایضاً، ص ۵۱۔

۳۳- ایضاً، ص ۵۸۔

34. Naveed-ur-Rehman, *Hayat Muhammad Khan Sherpao: A Biographical Profile*, p. 81.
35. Syed Tahir Zaidi, Hasan Askari Fatmi, *Sherpao Shaheed* (Karachi: Production Monitors, 1975) p. 69.
36. *Ibid.*
37. *Ibid.*
38. *Ibid.* p. 65.
39. Farhatullah Babar, Reminiscences of His Frontier visits, Bhutto.org.
40. Sher Baz Khan Mazari, *A Journey to Disillusionment,* (Karachi: Oxford University Press, 2010), p. 115.
41. asiacorespondence.com
42. Hasan Abbas, *Pakistan Drift into Extremism, Allah, The Army and America War on Terror* (New Delhi, Pentagon Press, 2005), p. 80.
43. Naveed-ur-Rehman, *Hayat Muhammad Khan Sherpao: A Biographical Profile*, p. 105.
44. *Ibid.*
45. *Ibid.*